

## 1 دستور: حبیب جالب

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے  
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے  
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے  
ایسے دستور کو صحیح بے نور کو  
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

میں بھی خائن فرمانیں تختۂ دار سے  
میں بھی منصور ہوں کہہدوا غیار سے  
کیوں ڈراتے ہو زندگی کی دیوار سے  
ظلم کی بات کو جہل کی رات کو  
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

پھول شاخوں پہ کھلنے لگے تم کہو  
جام رندوں کو ملنے لگے تم کہو

چاک سینوں کے سلنے لگے تم کہو  
اس کھلے جھوٹ کوڑ ہن کی لوٹ کو  
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

تم نے لوٹا ہے صدیوں ہمارا سکوں  
اب نہ ہم پر چلے گا تمہارا فسou  
چارہ گر درد مندوں کے بنتے ہو کیوں  
تم نہیں چارہ گر کوئی مانے مگر  
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

## 2 ظلمت کو ضیا صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا: حبیب جالب

ظلمت کو ضیا صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا  
پتھر کو گہر دیوار کو در کر گس کو ہما کیا لکھنا  
اک حشر بپا ہے گھر میں دم گھٹتا ہے گنبد بے در میں  
اک شخص کے ہاتھوں مدت سے رسو اہے وطن دنیا بھر میں  
اے دیدہ و رواں ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا

ظلمت کو ضیا صر صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا

یہ اہل حشم یہ دار او جم سب نقش بر آب ہیں اے ہم دم  
مٹ جائیں گے سب پروردہ شب اے اہل وفارہ جائیں گے ہم  
ہو جاں کازیاں پر قاتل کو معصوم ادا کیا لکھنا  
ظلمت کو ضیا صر صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا

لوگوں پہ ہی ہم نے جاں واری کی ہم نے ہی انہی کی غم خواری  
ہوتے ہیں تو ہوں یہ ہاتھ قلم شاعرنہ بنیں گے درباری  
ابلیس نما انسانوں کی اے دوست شنا کیا لکھنا  
ظلمت کو ضیا صر صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا

حق بات پہ کوڑے اور زندگی باطل کے شکنج میں ہے یہ جاں  
انساں ہیں کہ سہمے بیٹھے ہیں خونخوار درندے ہیں رقصان  
اس ظلم و ستم کو لطف و کرم اس دکھ کو دوا کیا لکھنا  
ظلمت کو ضیا صر صر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا

ہر شام یہاں شام ویراں آسیب زدہ رستے گلیاں  
جس شہر کی دھن میں نکلے تھے وہ شہر دل بر باد کہاں  
صحرا کو چمن بن کر گلشن بادل کوردا کیا لکھنا  
ظلمت کو ضیا صرصر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا

اے میرے وطن کے فن کارو ظلمت پہ نہ اپنا فن وارو  
یہ محل سراؤں کے باسی قاتل ہیں سبھی اپنے یارو  
ورثے میں ہمیں یہ غم ہے ملاس غم کونیا کیا لکھنا  
ظلمت کو ضیا صرصر کو صبا بندے کو خدا کیا لکھنا

### 3 جمہوریت: حبیب جالب

دس کروڑ انسانو !  
زندگی سے بیگانو !  
صرف چند لوگوں نے  
حق تمہارا چھینا ہے  
خاک ایسے جینے پر

یہ بھی کوئی جینا ہے  
بے شعور بھی تم کو  
بے شعور کہتے ہیں  
سوچتا ہوں یہ ناداں  
کس ہوا میں رہتے ہیں  
اور یہ قصیدہ گو  
فکر ہے یہی جن کو  
ہاتھ میں علم لے کر  
تم نہ اٹھ سکو لو گو  
کب تک یہ خاموشی  
چلتے پھرتے زندانو  
دس کرو ڈانسانو!

یہ ملیں یہ جاگیریں  
کس کا خون پیتی ہیں  
بیر کوں میں یہ فوجیں  
کس کے بل پہ جیتی ہیں

کس کی مختوں کا پھل  
داشتائیں کھاتی ہیں  
جھونپڑوں سے رونے کی  
کیوں صدائیں آتی ہیں  
جب شباب پر آکر  
کھیت لہلہتا ہے  
کس کے نین رو تے ہیں  
کون مسکراتا ہے  
کاش تم کبھی سمجھو  
کاش تم کبھی سمجھو  
کاش تم کبھی جانو  
دس کروڑ انسانو!  
علم و فن کے رستے میں  
لاٹھیوں کی یہ باڑیں  
کالجوں کے لڑکوں پر  
گولیوں کی بوچھاڑیں  
یہ کرائے کے غنڈے

یاد گار شب دیکھو  
کس قدر بھی انک ہے  
ظلم کا یہ ڈھب دیکھو  
رقص آتش و آهن  
دیکھتے ہی جاؤ گے  
دیکھتے ہی جاؤ گے  
ہوش میں نہ آؤ گے  
ہوش میں نہ آؤ گے  
اے خوش طوفانو!  
دس کروڑ انسانو!

سیکڑوں حسن ناصر  
ہیں شکار نفرت کے  
صحح و شام لٹتے ہیں  
قا فلے محبت کے  
جب سے کالے باغوں نے  
آدمی کو گھیرا ہے

مشعلیں کروشون

دور تک اندھیرا ہے

میرے دلیں کی دھرتی

پیار کو ترستی ہے

پتھروں کی بارش ہی

اس پہ کیوں برستی ہے

ملک کو بچاؤ بھی

ملک کے نگہبانو

دس کروڑ انسانو!

بولنے پہ پابندی

سوچنے پہ تعزیریں

پاؤں میں غلامی کی

آج بھی ہیں زنجیریں

آج حرف آخر ہے

بات چند لوگوں کی

دن ہے چند لوگوں کا

رات چند لوگوں کی

اٹھ کے درد مندوں کے  
صحیح و شام بدل لو بھی  
جس میں تم نہیں شامل  
وہ نظام بدل لو بھی  
دوستوں کو پہچانو  
دشمنوں کو پہچانو  
دس کروڑ انسانو!

#### 4 مشیر: حبیب جالب

میں نے اس سے یہ کہا  
یہ جو دس کروڑ ہیں  
جہل کا نچوڑ ہیں  
ان کی فکر سوگئی  
ہر امید کی کرن  
ظلمتوں میں کھو گئی  
یہ خبر درست ہے

ان کی موت ہو گئی  
بے شعور لوگ ہیں  
زندگی کاروگ ہیں  
اور تیرے پاس ہے  
ان کے درد کی دوا  
میں نے اس سے یہ کہا  
تو خدا کا نور ہے  
عقل ہے شعور ہے  
قوم تیرے ساتھ ہے  
تیرے ہی وجود سے  
ملک کی نجات ہے  
تو ہے مہر صح نو  
تیرے بعد رات ہے  
بولتے جو چند ہیں  
سب یہ شر پسند ہیں  
ان کی کھینچ لے زباں  
ان کا گھونٹ دے گلا

میں نے اس سے یہ کہا  
جن کو تھا زبائ پہ ناز  
چپ ہیں وہ زبائ دراز  
چلین ہے سماج میں  
بے مثال فرق ہے  
کل میں اور آج میں  
اپنے خرچ پر ہیں قید  
لوگ تیرے راج میں  
آدمی ہے وہ بڑا  
درپہ جور ہے پڑا  
جو پناہ مانگ لے  
اس کی بخش دے خطا

میں نے اس سے یہ کہا  
ہر وزیر ہر سفیر  
بے نظیر ہے مشیر

واہ کیا جواب ہے  
تیرے ذہن کی قسم  
خوب انتخاب ہے  
جائی ہے افسری  
قومِ محظوظ ہے  
یہ تراوزیر خال  
دے رہا ہے جو بیان  
پڑھ کے ان کو ہر کوئی  
کہہ رہا ہے مر جبا

میں نے اس سے یہ کہا

چین اپنا یار ہے  
اس پہ جاں شار ہے  
پروہاں ہے جو نظام  
اس طرف نہ جائیو  
اس کو دور سے سلام

دس کروڑ یہ گدھے  
 جن کا نام ہے عوام  
 کیا بینیں گے حکمران  
 تو "یقین" ہے یہ "گماں"  
 اپنی تو دعا ہے یہ  
 صدر تور ہے سدا  
 میں نے اس سے یہ کہا

## 5 عورت: حبیب جالب

بازار ہے وہ اب تک جس میں تجھے نچوایا  
 دیوار ہے وہ اب تک جس میں تجھے چنوا�ا

دیوار کو آٹوڑیں بازار کو آڈھائیں  
 انصاف کی خاطر ہم سڑکوں پہ نکل آئیں  
 مجبور کے سر پر ہے شاہی کا وہی سایا  
 بازار ہے وہ اب تک جس میں تجھے نچوایا

تقدیر کے قدموں پر سر رکھ کے پڑے رہنا  
تائید ستم گر ہے چپ رہ کے ستم سہنا  
حق جس نے نہیں چھینا حق اس نے کہاں پایا  
بازار ہے وہ اب تک جس میں تجھے نچوایا

کلیا میں ترا پچھا غربت نے نہیں چھوڑا  
اور محل سرا میں بھی زردار نے دل توڑا  
اف تجھ پہ زمانے نے کیا کیا نہ ستم ڈھایا  
بازار ہے وہ اب تک جس میں تجھے نچوایا

تو آگ میں اے عورت زندہ بھی جلی برسوں  
سامنے میں ہر اک غم کے چپ چاپ ڈھلی برسوں  
تجھ کو کبھی جلوایا تجھ کو کبھی گڑوایا  
بازار ہے وہ اب تک جس میں تجھے نچوایا

بہت میں نے سنی ہے آپ کی تقریر مولانا  
مگر بدی نہیں اب تک مری تقدیر مولانا  
خدار اشکر کی تلقین اپنے پاس ہی رکھیں  
یہ لگتی ہے مرے سینے پہ بن کر تیر مولانا  
نہیں میں بول سکتا جھوٹ اس درجہ ڈھٹائی سے  
یہی ہے جرم میرا اور یہی تقصیر مولانا  
حقیقت کیا ہے یہ تو آپ جانیں یا خدا جانے  
سنا ہے جسی کا رڑ آپ کا ہے پیر مولانا  
زمینیں ہوں وڈیروں کی مشینیں ہوں لٹیروں کی  
خدا نے لکھ کے دی ہے یہ تمہیں تحریر مولانا  
کروڑوں کیوں نہیں مل کر فلسطین کے لیے لڑتے  
دعا ہی سے فقط کٹتی نہیں زنجیر مولانا

کہاں ٹوٹی ہیں زنجیریں ہماری

کہاں بدلتی ہیں تقریریں ہماری

وطن تھا ذہن میں زندگی نہیں تھا

چمن خوابوں کا یوں ویراں نہیں تھا

بہاروں نے دئے وہ داغ ہم کو

نظر آتا ہے مقلوب باغ ہم کو

گھروں کو چھوڑ کر جب ہم چلے تھے

ہمارے دل میں کیا کیا لو لے تھے

یہ سوچا تھا ہمارا راج ہو گا

سر محنت کشائی پر تاج ہو گا

نہ لوٹے گا کوئی محنت کسی کی

ملے گی سب کو دولت زندگی کی

نہ چاٹیں گی ہمارا خوں مشینیں  
بنیں گی رشک جنت یہ زمینیں

کوئی گوہر کوئی آدم نہ ہو گا  
کسی کو رہنروں کا غم نہ ہو گا

لڑی ہر گام پر امید اپنی  
محرم بن گئی ہر عید اپنی

سلط ہے سروں پر رات اب تک  
وہی ہے صورت حالات اب تک

8 ماں: حبیب جالب

بچوں پہ چلی گولی  
ماں دیکھ کے یہ بولی

یہ دل کے مرے ٹکڑے  
یوں روئے مرے ہوتے  
میں دور کھڑی دیکھوں  
یہ مجھ سے نہیں ہو گا

میں دور کھڑی دیکھوں  
اور اہل ستم کھیلیں  
خوں سے مرے بچوں کے  
دن رات یہاں ہوں  
بچوں پہ چلی گوئی  
ماں دیکھ کے یہ بولی

یہ دل کے مرے ٹکڑے  
یوں روئیں مرے ہوتے  
میں دور کھڑی دیکھوں  
یہ مجھ سے نہیں ہو گا

میداں میں نکل آئی  
اک برق سی لہرائی  
ہر دست ستم کانپا  
بندوق بھی تھرائی  
ہر سمت صد اگو نجی  
میں آتی ہوں میں آتی  
میں آتی ہوں میں آتی

ہر ظلم ہوا باطل  
اور سہم گئے قاتل  
جب اس نے زبان کھوی  
بچوں پہ چلی گولی

اس نے کہا خوں خوارو!  
دولت کے پرستارو  
دھرتی ہے یہ ہم سب کی  
اس دھرتی کو نادانو!

انگریز کے دربانو  
صاحب کی عطا کر دہ

جا گیر نہ تم جانو  
اس ظلم سے باز آؤ  
بیرک میں چلے جاؤ  
کیوں چند لٹیروں کی  
پھرتے ہو لیے ٹولی  
بچوں پہ چلی گولی

## 9 ضابطہ: حبیب جالب

یہ ضابطہ ہے کہ باطل کو مت کہوں باطل  
یہ ضابطہ ہے کہ گرداب کو کہوں ساحل

یہ ضابطہ ہے بنوں دست و بازوئے قاتل  
یہ ضابطہ ہے دھڑ کنا بھی چھوڑ دے یہ دل

یہ ضابطہ ہے کہ غم کونہ غم کہا جائے  
یہ ضابطہ ہے ستم کو کرم کہا جائے

بیاں کروں نہ کبھی اپنے دل کی حالت کو  
نہ لاوں لب پہ کبھی شکوہ و شکایت کو

کمال حسن کہوں عیب کو جہالت کو  
کبھی جگاؤں نہ سوئی ہوئی عدالت کو

یہ ضابطہ ہے حقیقت کو اک فسانہ کہوں  
یہ ضابطہ ہے قفس کو ہی آشیانہ کہوں

یہ ضابطہ ہے کہوں دشت کو گلستان زار  
خزاں کے روپ کو لکھوں فروغ حسن بہار

ہر ایک دشمن جاں کو کہوں میں ہدم و یار

جو کاٹتی ہے سر حق وہ چوم لوں تلوار

خطاو جرم کھوں اپنی بے گناہی کو  
سحر کا نور لکھوں رات کی سیاہی کو

جو مٹنے والے ہیں ان کے لئے دوام لکھوں  
شنايزید کی اور شمر پر سلام لکھوں

جو ڈس رہا ہے وطن کونہ اس کا نام لکھوں  
سمجھ سکیں نہ جسے لوگ وہ کلام لکھوں

دروع گوئی کو سچائی کا پیام کھوں  
جو راہز ن ہے اسے رہبر عوام کھوں

مرے جنوں کونہ پہنا سکو گے تم زنجیر  
نہ ہو سکے گا کبھی تم سے میرا ذہن اسیر

جود کیختا ہوں جو سچ ہے کروں گا وہ تحریر  
متعہر دو جہاں بھی نہیں بھائے ضمیر

نہ دے سکے گی سہارا تمہیں کوئی تدبیر  
فنا تمہارا مقدر بقامری تقدیر

## 10 ملاقات: حبیب جالب

جو ہونہ سکی بات وہ چہروں سے عیاں تھی  
حالات کا ماتم تھا ملاقات کہاں تھی  
اس نے نہ ٹھہرنے دیا پھر وہ مرے دل کو  
جو تیری نگاہوں میں شکایت مری جاں تھی  
گھر میں بھی کہاں چین سے سوئے تھے کبھی ہم  
جورات ہے زندگی میں وہی رات وہاں تھی  
یکساں ہیں مری جان قفس اور نشیمن  
انسان کی تو قیریہاں ہے نہ وہاں تھی  
شاہوں سے جو کچھ ربط نہ قائم ہوا اپنا

عادت کا بھی کچھ جبر تھا کچھ اپنی زبان تھی  
 صیاد نے یو نہی تو قفس میں نہیں ڈالا  
 مشہور گلستان میں بہت میری فغاں تھی  
 تو ایک حقیقت ہے مری جاں مری ہم دم  
 جو تھی مری غزلوں میں وہ اک وہم و گماں تھی  
 محسوس کیا میں نے ترے غم سے غم دہر  
 ورنہ مرے اشعار میں یہ بات کہاں تھی

## 11 سچ ہی لکھتے جانا: حبیب جالب

دینا پڑے کچھ ہی ہر جانہ سچ ہی لکھتے جانا  
 مت گھبر انامت ڈر جانا سچ ہی لکھتے جانا  
 باطل کی منہ زور ہوا سے جونہ کبھی بجھ پائیں  
 وہ شمعیں روشن کر جانا سچ ہی لکھتے جانا  
 پل دوپل کے عیش کی خاطر کیا دینا کیا جھکنا  
 آخر سب کو ہے مر جانا سچ ہی لکھتے جانا  
 لوح جہاں پر نام تمہارا لکھا رہے گا یوں ہی

جالب سچ کا دم بھر جانا سچ ہی لکھتے جانا

12 اپنی جنگ رہے گی: حبیب جالب

جب تک چند لٹیرے اس دھرتی کو گھیرے ہیں  
اپنی جنگ رہے گی  
اہل ہوس نے جب تک اپنے دام بکھیرے ہیں  
اپنی جنگ رہے گی  
مغرب کے چہرے پر یار و اپنے خون کی لالی ہے  
لیکن اب اس کے سورج کی ناؤڑو بنے والی ہے  
مشرق کی تقدیر میں جب تک غم کے اندر ہیں  
اپنی جنگ رہے گی  
ظلم کہیں بھی ہو ہم اس کا سرخم کرتے جائیں گے  
 محلوں میں اب اپنے لہو کے دئے نہ جلنے پائیں گے  
کٹیاں سے جب تک صحبوں نے منه پھیرے ہیں  
اپنی جنگ رہے گی  
جان لیا اے اہل کرم تم ٹوٹی ہو عیاروں کی

دست نگر کیوں بن کر رہے یہ بستی ہے خود داروں کی  
ڈوبے ہوئے دکھ درد میں جب تک سانجھ سویرے ہیں  
اپنی جنگ رہے گی

### 13 نیلو: حبیب جالب

تو کہ ناواقف آداب شہنشاہی تھی  
رقص زنجیر پہن کر بھی کیا جاتا ہے  
تجھ کو انکار کی جرأت جو ہوئی تو کیوں کر  
سایہ شاہ میں اس طرح جیا جاتا ہے

اہل ثروت کی یہ تجویز ہے سر کش لڑکی  
تجھ کو دربار میں کوڑوں سے نچایا جائے  
ناپھنے ناپھنے ہو جائے جو پائل خاموش  
پھرنہ تازیست تجھے ہوش میں لا یا جائے

لوگ اس منظر جانکاہ کو جب دیکھیں گے

اور بڑھ جائے گا کچھ سطوت شاہی کا جلال  
تیرے انجام سے ہر شخص کو عبرت ہو گی  
سر اٹھانے کا رعایا کونہ آئے گا خیال

طبع شاہانہ پہ جو لوگ گراں ہوتے ہیں  
ہاں انہیں زہر بھرا جام دیا جاتا ہے  
تو کہ ناواقف آداب شہنشاہی تھی  
رقص زنجیر پہن کر بھی کیا جاتا ہے

۱۴ اٹھو مر نے کا حق استعمال کرو: حبیب جالب

جینے کا حق سامراج نے چھین لیا  
اٹھو مر نے کا حق استعمال کرو  
ذلت کے جینے سے مرنابہتر ہے  
مٹ جاؤ یا قصر ستم پامال کرو

سامراج کے دوست ہمارے دشمن ہیں

انہی سے آنسو آہیں آنگن آنگن ہیں  
انہی سے قتل عام ہوا آشاؤں کا  
انہی سے ویراں امیدوں کا گلشن ہے

بھوک ننگ سب دین انہی کی ہے لوگو  
بھول کے بھی مت ان سے عرض حال کرو  
جینے کا حق سامراج نے چھین لیا  
اٹھو مر نے کا حق استعمال کرو

صح و شام فلسطین میں خوب بہتا ہے  
سایہ مرگ میں کب سے انساں رہتا ہے  
بند کرو یہ باور دی غنڈہ گردی  
بات یہ اب تو ایک زمانہ کہتا ہے

ظلم کے ہوتے امن کھاں ممکن یارو  
اسے مٹا کر جگ میں امن بحال کرو  
جینے کا حق سامراج نے چھین لیا

اٹھو مر نے کا حق استعمال کرو

15 خدا ہمارا ہے: حبیب جالب

خدا تمہارا نہیں ہے خدا ہمارا ہے  
اسے زمین پہ یہ ظلم کب گوارا ہے  
لہو پیو گے کہاں تک ہمارا دھنوانو  
بڑھاؤ اپنی دکاں سیم وزر کے دیوانو  
نشان کہیں نہ رہے گا تمہارا شیطانو  
ہمیں یقین ہے کہ انسان اس کو پیارا ہے  
خدا تمہارا نہیں ہے خدا ہمارا ہے  
اسے زمین پہ یہ ظلم کب گوارا ہے

نئے شعور کی ہے روشنی نگاہوں میں  
اک آگ سی بھی ہے اب اپنی سرد آہوں میں  
کھلیں گے پھول نظر کے سحر کی بانہوں میں  
دکھے دلوں کو اسی آس کا سہارا ہے

خدا تمہارا نہیں ہے خدا ہمارا ہے  
 اسے زمین پہ یہ ظلم کب گوارا ہے  
 طسم سایہ تھوف وہر اس توڑیں گے  
 قدم بڑھائیں گے زنجیریاں توڑیں گے  
 کبھی کسی کے نہ ہم دل کی آس توڑیں گے  
 رہے گا یاد جو عہد ستم گزارا ہے  
 اسے زمین پہ یہ ظلم کب گوارا ہے

## 16 ممتاز: حبیب جالب

قصر شاہی سے یہ حکم صادر ہوا لڑکا نے چلو  
 ورنہ تھانے چلو  
 اپنے ہو نٹوں کی خوشبو لٹانے چلو گیت گانے چلو  
 ورنہ تھانے چلو  
 منتظر ہیں تمہارے شکاری وہاں کیف کا ہے سماں  
 اپنے جلووں سے محفل سجانے چلو مسکرانے چلو  
 ورنہ تھانے چلو

حاکموں کو بہت تم پسند آئی ہو ذہن پر چھائی ہو  
جسم کی لو سے شمعیں جلانے چلو، غم بھلانے چلو  
ورنہ تھانے چلو

## 17 اے جہاں دیکھ لے! : حبیب جالب

اے جہاں دیکھ لے کب سے بے گھر ہیں ہم  
اب نکل آئے ہیں لے کے اپنا علم  
یہ محلات یہ اوپنچے اوپنچے مکاں  
ان کی بنیاد میں ہے ہمارا ہو  
کل جو مہمان تھے گھر کے مالک بنے  
شاہ بھی ہے عدو شیخ بھی ہے عدو  
کب تلک ہم سہیں غاصبوں کے ستم  
اے جہاں دیکھ لے کب سے بے گھر ہیں ہم  
اب نکل آئے ہیں لے کے اپنا علم

اتناسا دہ نہ بن تجھ کو معلوم ہے

کون گھیرے ہوئے ہے فلسطین کو

آج کھل کے یہ نعرہ لگاے جہاں  
قا تلوہ ہر نویہ زمیں چھوڑ دو  
ہم کو لڑنا ہے جب تک کہ دم میں ہے دم  
اے جہاں دیکھ لے کب سے بے گھر ہیں ہم  
اب نکل آئے ہیں لے کے اپنا علم

18 صحافی سے: حبیب جالب

قوم کی بہتری کا چھوڑ خیال  
فکر تعمیر ملک دل سے نکال  
تیرا پر چم ہے تیر ادست سوال  
بے ضمیری کا اور کیا ہو مآل  
اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

تنگ کر دے غریب پر یہ زمیں

خُم ہی رکھ آستان زر پہ جبیں  
عیوب کا دور ہے ہنر کا نہیں  
آج حسن کمال کو ہے زوال  
اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

کیوں یہاں صبح نو کی بات چلے  
کیوں ستم کی سیاہ رات ڈھلے  
سب برابر ہیں آسمان کے تلے  
سب کو رجعت پسند کہہ کر طال  
اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

نام سے پیشتر گا کے امیر  
ہر مسلمان کو بنائے فقیر  
قصر و ایواں میں ہو قیام پذیر  
اور خطبوں میں دے عمر کی مثال  
اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

آمریت کی ہم نوائی میں  
تیرا ہمسر نہیں خدائی میں  
بادشاہوں کی رہنمائی میں  
روز اسلام کا جلوس نکال  
اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

لاکھ ہونٹوں پہ دم ہمارا ہو  
اور دل صحیح کاستارا ہو  
سامنے موت کا نظارا ہو  
لکھ یہی ٹھیک ہے مریض کا حال  
اب قلم سے ازار بند ہی ڈال

19 سلام لوگو: حبیب جالب

سلام اے دل فگار لوگو  
سلام اے اشک بار لوگو

تمہی نے اپنا وطن بچایا  
تمہی نے باطل کا سر جھکایا  
بجھا کے شمع حیات اپنی  
وفا کی راہوں کو جگم گایا  
مگر یہ دل رو کے کہہ رہا ہے  
لہو تمہارا نہ رنگ لایا

وہی ہے شب کا حصار لوگو  
سلام اے اشک بار لوگو

گلوں کی وادی لہو لہو ہے  
فغاں کی آواز چار سو ہے  
ہیں اس قدر تشنہ کام میکش  
ہر ایک لب پر سبو سبو ہے  
نشان منزل ہے کھویا کھویا  
لٹالٹا شہر آرزو ہے

بچھے بچھے ہیں دیار لوگو

سلام اے اشک بار لوگو

تمہارے دم سے ہری زمینیں

خوشی سے دامن بھری مشینیں

ہیں اس کے باوصف بھیگی بھیگی

تمہاری اشکوں سے آستینیں

میں سوچتا ہوں رہیں گی کب تک

ستم کے آگے بھلی جنینیں

اٹھاؤ سر سوگوار لوگو

سلام اے اشک بار لوگو

20 عہد سزا: حبیب جالب

یہ ایک عہد سزا ہے جزا کی بات نہ کر

دعائے ہاتھ اٹھار کھدوں کی بات نہ کر

خدا کے نام پر ظالم نہیں یہ ظلم روا  
 مجھے جو چاہے سزادے خدا کی بات نہ کر  
 حیات اب تو انہیں محسوس میں گزرے گی  
 ستم گروں سے کوئی انتخاکی بات نہ کر  
 انہی کے ہاتھ میں پتھر ہیں جن کو پیار کیا  
 یہ دیکھ حشر ہماراوفا کی بات نہ کر  
 ابھی تو پائی ہے میں نے رہائی رہنے سے  
 بھٹک نہ جاؤں میں پھر رہنمای کی بات نہ کر  
 بجھادیا ہے ہوانے ہر ایک دیا کا دیا  
 نہ ڈھونڈ اہل کرم کو دیا کی بات نہ کر  
 نزول جس ہوا ہے فلک سے اے جالب  
 گھٹا گھٹا ہی سہی دم گھٹا کی بات نہ کر

21 مستقبل: حبیب جالب

تیرے لئے میں کیا کیا صدمے سہتا ہوں  
 سنگینوں کے راج میں بھی سچ کہتا ہوں

میری راہ میں مصلحتوں کے پھول بھی ہیں  
تیری خاطر کانٹے چنار ہوں گا  
تو آئے گا اسی آس پہ جھوم رہا ہے دل  
دیکھاۓ مستقبل  
اک اک کر کے سارے ساتھی چھوڑ گئے  
مجھ سے میرے رہبر بھی منہ موڑ گئے  
سوچتا ہوں بے کار گلہ ہے غیروں کا  
اپنے ہی جب پیار کانا تاؤڑ گئے  
تیرے بھی دشمن ہیں میرے خوابوں کے قاتل  
دیکھاۓ مستقبل  
جہاں کے آگے سرنہ جھکایا میں نے کبھی  
سفلوں کو اپنا نہ بنایا میں نے کبھی  
دولت اور عہدوں کے بل پر جو ایٹھے  
ان لوگوں کو منہ نہ لگایا میں نے کبھی  
میں نے چور کہا چوروں کو کھل کے سر محفل  
دیکھاۓ مستقبل  
زلف کی بات کئے جاتے ہیں

دن کو یوں رات کئے جاتے ہیں  
چند آنسو ہیں انہیں بھی جالب۔  
نظر حالات کیے جاتے ہیں

## 22 جوال آگ: حبیب جالب

گولیوں سے یہ جوال آگ نہ بجھ پائے گی  
گیس پھینکو گے تو کچھ اور بھی لہرائے گی

یہ جوال آگ جو ہر شہر میں جاگ اٹھی ہے  
تیرگی دیکھ کے اس آگ کو بھاگ اٹھی ہے

کب تلک اس سے بچاؤ گے تم اپنے دامان  
یہ جوال آگ جلا دے گی تمہارے ایواں

یہ جوال خون بھایا ہے جو تم نے اکثر  
یہ جوال خون نکل آیا ہے بن کے لشکر

یہ جو اس خون سیہ رات کا رہنے دے گا  
دکھ میں ڈوبے ہوئے حالات نہ رہنے دے گا

یہ جو اس خون ہے محلوں پہ لپکتا طوفان  
اس کی یلغار سے ہر اہل ستم ہے لرزائ

یہ جو اس فکر تمہیں خون نہ پینے دے گی  
غاصبواب نہ تمہیں چین سے جینے دے گی

قاتلو راہ سے ہٹ جاؤ کہ ہم آتے ہیں  
اپنے ہاتھوں میں لیے سرخ علم آتے ہیں

توڑ دے گی یہ جو اس فکر حصار زندگی  
جاگ اٹھے ہیں مرے دیس کے بیکس انساں

پوچھنے کیا لا ہور میں دیکھا ہم نے میاں نظیر  
پہنیں سوت انگریزی بولیں اور کہلانیں میر  
چودھریوں کی مٹھی میں ہے شاعر کی تقدیر  
روئے بھگت کبیر

اک دوچے کو جاہل سمجھیں نٹ کھٹ بدھی وان

میڑو میں جو چائے پلاۓ بس وہ باپ سماں  
سب سے اچھا شاعر وہ ہے جس کا یار مدیر

روئے بھگت کبیر

سرٹ کوں پر بھو کے پھرتے ہیں شاعر موسیقار  
ایکٹر سوں کے باپ لیے پھرتے ہیں موڑ کار  
فلم انگر تک آپنے ہیں سید پیر فقیر

روئے بھگت کبیر

لال دین کی کوٹھی دیکھی رنگ بھی جس کا لال

شہر میں رہ کر خوب اڑائے دہقانوں کامال

اور کہے اجداد نے بخششی مجھ کو یہ جاگیر

روئے بھگت کبیر

جس کو دیکھو لیڈر ہے اور سے ملوکیل  
 کسی طرح بھرتا ہی نہیں ہے پیٹ ہے ان کا جھیل  
 مجبور اسننا پڑتی ہے ان سب کی تقدیر  
 روئے بھگت کبیر  
 محفل سے جو اٹھ کر جائے کھلائے وہ بور  
 اپنی مسجد کی تعریفیں باقی جوتے چور  
 اپنا جہنگ بھلا ہے پیارے جہاں ہماری ہیر  
 روئے بھگت کبیر

## 24 بھئے کبیر اداس: حبیب جالب

اک پڑی پر سردی میں اپنی تقدیر کو روئے  
 دو جاز لفوں کی چھاؤں میں سکھ کی سچ پہ سوئے  
 راج سنگھا سن پر اک بیٹھا اور اک اس کا داس  
 بھئے کبیر اداس  
 او نچے او نچے ایوانوں میں مور کھ حکم چلانیں  
 قدم قدم پر اس نگری میں پنڈت دھکے کھانیں

دھرتی پر بھگوان بنے ہیں دھن ہے جن کے پاس

بھئے کبیر اداں

گیت لکھائیں پسے نادیں فلم نگر کے لوگ

ان کے گھر باجے شہنائی لیکھ کے گھر سوگ

گائک سر میں کیوں کر گائے کیوں ناکاٹے گھاس

بھئے کبیر اداں

کل تک تھا جو حال ہمارا حال وہی ہے آج

جالب آپنے دلیں میں سکھ کا کال وہی ہے آج

پھر بھی موچی گیٹ پہ لیڈ رروز کریں بکواس

بھئے کبیر اداں

25 ریفرنڈم: حبیب جالب

شہر میں ہو کا عالم تھا

جن تھا یاری فرنڈم تھا

قید تھے دیواروں میں لوگ

باہر شور بہت کم تھا

کچھ باریش سے چہرے تھے  
اور ایمان کا ماتم تھا  
مر حومین شریک ہوئے  
سچائی کا چہلم تھا  
دن انیس دسمبر کا  
بے معنی بے ہنگم تھا  
یا وعدہ تھا حاکم کا  
یا اخباری کالم تھا

## 26 نام کیا لوں: حبیب جالب

ایک عورت جو میرے لیے مدتوں  
شمع کی طرح آنسو بہاتی رہی  
میری خاطر زمانے سے منه موڑ کر  
میرے ہی پیار کے گیت گاتی رہی  
میرے غم کو مقدر بنائے ہوئے  
مسکراتی رہی

اس کے غم کی کبھی میں نے پروانہ کی  
اس نے ہر حال میں نام میرالیا  
چھین کر اس کے ہونٹوں کی میں نے ہنسی  
تیری دلہیز پر اپنا سر رکھ دیا  
تو نے میری طرح میرا دل توڑ کر  
مجھ پہ احساں کیا

## 27 بگیا لہو لہان: حبیب جالب

ہریاں کو آنکھیں تر سیں بگیا لہو لہان  
پیار کے گیت سناؤں کس کو شہر ہوئے ویران  
بگیا لہو لہان

ڈستی ہیں سورج کی کرنیں چاند جلانے جان  
پگ پگ موت کے گھرے سائے جیون موت سماں  
چاروں اور ہوا پھرتی ہے لے کے تیر کمان

گیا لہو لہان

چھلنی ہیں کلیوں کے سینے خون میں لٹ پت پات  
اور نہ جانے کب تک ہو گی اشکوں کی برسات  
دنیا والو کب بیتیں گے دکھ کے یہ دن رات  
خون سے ہولی کھیل رہے ہیں دھرتی کے بلوان

گیا لہو لہان

28 لاکل پور: حبیب جالب

لاکل پورا ک شہر ہے جس میں دل ہے مر آباد  
دھڑ کن دھڑ کن ساتھ رہے گی اس بستی کی یاد  
میٹھے بولوں کی وہ نگری گیتوں کا سنسار  
ہنستے بستے ہائے وہ رستے نغمہ ریز دیار  
وہ گلیاں وہ پھولوں وہ کلیاں رنگ بھرے بازار  
میں نے ان گلیوں پھولوں کلیوں سے کیا ہے پیار  
برگ آوارہ میں بکھری ہے جس کی رو داد

لاںل پوراک شہر ہے جس میں دل ہے مر آباد  
 کوئی نہیں تھا کام مجھے پھر بھی تھا کتنا کام  
 ان گلیوں میں پھرتے رہنا دن کو کرنا شام  
 گھر گھر میرے شعر کے چرچے گھر گھر میں بدنام  
 راتوں کو دل بیزوں پہ ہی کر لینا آرام  
 دکھ سہنے میں چپ رہنے میں دل تھا کتنا شاد  
 لاںل پوراک شہر ہے جس میں دل ہے مر آباد  
 میں نے اس گنگری رہ کر کیا کیا گیت لکھے  
 جن کے کارن لوگوں کے من میں ہے میری پریت  
 ایک لگن کی بات ہے جیون کیسی ہار اور جیت  
 سب سے مجھ کو پیار ہے جالب سب ہیں میرے میت  
 داد تو ان کی یاد ہے مجھ کو بھول گیا بے داد  
 لاںل پوراک شہر ہے جس میں دل ہے مر آباد

29: جبیب جالب لتا:

تیرے مدھر گیتوں کے سہارے

بیتے ہیں دن رین ہمارے  
تیری اگر آواز نہ ہوتی  
بجھ جاتی جیون کی جو تی  
تیرے سچ سر ہیں ایسے  
جیسے سورج چاند ستارے  
تیرے مدھر گیتوں کے سہارے  
بیتے ہیں دن رین ہمارے  
کیا کیا تو نے گیت ہیں گائے  
سر جب لاغے من جھک جائے  
تجھ کو سن کر جی اٹھتے ہیں  
ہم جیسے دکھ درد کے مارے  
تیرے مدھر گیتوں کے سہارے  
بیتے ہیں دن رین ہمارے  
میرا تجھ میں آن بسی ہے  
انگ وہی ہے رنگ وہی ہے  
جگ میں تیرے داس ہیں اتنے  
جنئے ہیں آکا ش پہ تارے

تیرے مدھر گیتوں کے سہارے

بیتے ہیں دن رین ہمارے

### 30 تیز چلو: حبیب جالب

یہ کہہ رہا ہے دل بے قرار تیز چلو  
بہت اداس ہیں زنجیرو دار تیز چلو<sup>1</sup>  
جو تحک گئے ہیں انہیں گر دراہ رہنے دو  
کسی کا اب نہ کرو انتظار تیز چلو  
خزاں کی شام کہاں تک رہے گی سایہ فگن  
بہت قریب ہے صبح بہار تیز چلو  
تمہی سے خوف زدہ ہیں زمین وزروا لے  
تمہی ہو چشم ستم گرپہ بار تیز چلو  
کرو خلوص و محبت کو رہنا اپنا  
نہیں درست دلوں میں غبار تیز چلو  
بہت ہیں ہم میں یہاں لوگ گفتگو پیشہ  
ہے ان کا صرف یہی کاروبار تیز چلو

خرد کی سست روی سے کسے ملی منزل  
جنوں ہی اب تو کرو اختیار تیز چلو

31 یوم مسیح: حبیب جالب

صد آرہی ہے مرے دل سے پیغم  
کہ ہو گا ہر اک دشمن جاں کا سر خم  
نہیں ہے نظام ہلاکت میں کچھ دم  
ضرورت ہے انسان کی امن عالم  
فضاؤں میں لہرائے گا سرخ پرچم  
صد آرہی ہے مرے دل سے پیغم  
نہ ذلت کے سائے میں بچ پلیں گے  
نہ ہاتھ اپنے قسمت کے ہاتھوں ملیں گے  
مساوات کے دیپ گھر گھر جلیں گے  
سب اہل وطن سر اٹھا کے چلیں گے  
نہ ہو گی کبھی زندگی وقف ماتم  
فضاؤں میں لہرائے گا سرخ پرچم

## 32 شہر ظلمات کو ثبات نہیں: حبیب جالب

اے نظام کھن کے فرزندو  
اے شب تار کے جگر بندو

یہ شب تار جاؤ داں تو نہیں  
یہ شب تار جانے والی ہے

تابہ کے تیر گی کے افسانے  
صحن نو مسکرانے والی ہے

اے شب تار کے جگر گوشو  
اے سحر دشمنو ستم گوشو

صحح کا آفتاب چمکے گا  
ٹوٹ جائے گا جہل کا جادو

پھیل جائے گی ان دیاروں میں  
علم و دانش کی روشنی ہر سو

اے شب تار کے نگہبانو  
شعع عہد زیاں کے پروانو

شہر ظلمات کے شناخوانو  
شہر ظلمات کو شبات نہیں

اور کچھ دیر صحیح پر ہنس لو  
اور کچھ دیر کوئی بات نہیں

33 حسب فرماںش: حبیب جالب

میں تجھے پھول کہوں اور کہوں بھنوروں سے  
آؤ اس پھول کا رس چوس کے ناچو جھو مو

میں تجھے شمع کہوں اور کہوں پروانو  
آؤ اس شمع کے ہونٹوں کو خوشی سے چو مو

میں تری آنکھ کو تشبیہ دوں میخانے سے  
اور خود زہر جدائی کا طلب گار رہوں  
غیر سوئے تری زلفوں کی گھنی چھاؤں میں  
اور میں چاندنی راتوں میں فقط شعر کہوں

مجھ سے یہ تیرے قصیدے نہ لکھے جائیں گے  
مجھ سے تیرے لیے یہ غزلیں نہ کہی جائیں گی  
یاد میں تیری میں سلاگانہ سکوں گا آنکھیں  
سختیاں درد کی مجھ سے نہ سہی جائیں گی  
شہر میں ایسے مصور ہیں جو سکوں کے عوض  
حسن میں لیلیاً و عذر اسے بڑھادیں گے تجھے  
طول دے کر تری زلفوں کو شب غم کی طرح  
فن کے اعجاز سے ناگن سی بنادیں گے تجھے

تجھ کو شہر کی ضرورت ہے محبت کی مجھے  
اے حسینہ تری منزل مری منزل میں نہیں  
ناچ گھر تیری نگاہوں میں ہیں رقصان لیکن  
اس تعیش کی تمنائیں مرے دل میں نہیں

دیکھ کے غیر کے پہلو میں تجھے رقص کناں  
بھیگ جاتی ہے مری آنکھ سر شک غم سے  
مجھ کو برسوں کی غلامی کا خیال آتا ہے  
جس نے اندازوفا چھین لیا ہے ہم سے

مجھ کو بھنو رانہ سمجھ مجھ کو پنگانہ سمجھ  
مجھ کو انسان سمجھ میری صداقت سے نہ کھیل  
تیری تفریح کا سامان نہ بنوں گاہر گز  
میری دنیا ہے یہی میری محبت سے نہ کھیل

دل کی کو نپل ہری تیرے ہونے سے ہے  
زندگی زندگی تیرے ہونے سے ہے

کشت زاروں میں تو کارخانوں میں تو  
ان زمینوں میں تو آسمانوں میں تو

شعر میں نثر میں داستانوں میں تو  
شہر و صحرائیں تو اور چٹانوں میں تو

حسن صورت - گری تیرے ہونے سے ہے  
زندگی زندگی تیرے ہونے سے ہے

تجھ سے ہے آفرینش نموار تقہ  
تجھ سے ہیں قافلے راستہ رہنا

تونہ ہوتی تو کیا تھا چمن کیا صبا  
کیسے کتنا سفر درد کا یاس کا

آس کی روشنی تیرے ہونے سے ہے  
زندگی زندگی تیرے ہونے سے ہے

خوف و نفرت کی ہر حد مٹانے نکل  
عقل و دانش کی شمعیں جلانے نکل

زیر دستوں کی ہمت بندھانے نکل  
ہم خیال اور اپنے بنانے نکل

اب کشا بے کسی تیرے ہونے سے ہے  
زندگی زندگی تیرے ہونے سے ہے

135: حبیب جالب یاد: یک

کچے آنگن کا وہ گھروہ بام و در  
گاؤں کی پگڈنڈیاں وہ رہ گزر

وہ ندی کا سر میں پانی شجر  
جانہیں سکتا بجا ان تک مگر  
سامنے رہتے ہیں وہ شام و سحر

### 36 میری پچی: حبیب جالب

میری پچی میں آؤں نہ آؤں  
آنے والا زمانہ ہے تیرا  
تیرے نخے سے دل کو دکھوں نے  
میں نے مانا کہ ہے آج گھیرا  
آنے والا زمانہ ہے تیرا

تیری آشائی کی بگیا کھلے گی  
چاند کی تجھ کو گڑیا ملے گی  
تیری آنکھوں میں آنسونہ ہوں گے  
ختم ہو گا ستم کا اندھیرا  
آنے والا زمانہ ہے تیرا

درد کی رات ہے کوئی دم کی  
ٹوٹ جائے گی زنجیر غم کی  
مسکراۓ گی ہر آس تیری  
لے کے آئے گا خوشیاں سویرا  
آنے والا زمانہ ہے تیرا

سچ کی راہوں میں جو مر گئے ہیں  
فاصلے مختصر کر گئے ہیں  
دکھنے جھیلیں گے ہم منہ چھپا کے  
سکھنے لوٹے گا کوئی لٹیرا  
آنے والا زمانہ ہے تیرا

## 73 کافی ہاؤس: حبیب جالب

دن بھر کافی ہاؤس میں بیٹھے کچھ دبلے پتلے نقاد  
بحث یہی کرتے رہتے ہیں سست ادب کی ہے رفتار

صرف ادب کے غم میں غلطان چلنے پھرنے سے لاچار  
 چہروں سے ظاہر ہوتا ہے جیسے برسوں کے بیمار  
 اردو ادب میں ڈھائی ہیں شاعر میر و غالب آدھا جوش  
 یا اک آدھ کسی کا مصرعہ یا اقبال کے چند اشعار  
 یا پھر نظم ہے اک چوہے پر حامد مدینی کا شہر کار  
 کوئی نہیں ہے اچھا شاعر کوئی نہیں افسانہ نگار  
 منٹو کرشن ندیم اور بیدی آن میں جان تو ہے لیکن  
 عیب یہ ہے ان کے ہاتھوں میں کند زباں کی ہے تلوار  
 عالی افسر انشا بابونا صر میر کے بر خوردار  
 فیض نے جواب تک لکھا ہے کیا لکھا ہے سب بیکار  
 ان کو ادب کی صحت کا غم مجھ کو ان کی صحت کا  
 یہ بے چارے دکھ کے مارے جینے سے ہیں کیوں بے زار  
 حسن سے وحشت عشق سے نفرت اپنی ہی صورت سے پیار  
 خنده گل پر ایک تبسم گریہ شبنم سے انکار

بجوم یاس میں جوت آس کی تری آواز  
 ہم اہل درد کی ہے زندگی تری آواز  
 بیوں پہ کھلتے رہیں پھول شعر و نغمہ کے  
 فضا میں رنگ بکھیرے یو نہی تری آواز  
 دیار دیدہ و دل میں ہے روشنی تجھ سے  
 ہے چہرہ چاند مدھر چاندنی تری آواز  
 ہونا ز کیوں نہ مقدر پہ اپنے نور جہاں  
 تجھے قریب سے دیکھا سنی تری آواز  
 نہ مٹ سکے گا تر انام رہتی دنیا تک  
 رہے گی یوں ہی سدا گو نجتی تری آواز

39 میرا جی: حبیب جالب

گیت کیا کیا لکھ گیا کیا کیا فسانے کہہ گیا  
 نام یوں ہی تو نہیں اس کا ادب میں رہ گیا  
 ایک تھائی رہی اس کی انیس زندگی  
 کون جانے کیسے کیسے دکھو د تھا سہہ گیا

سوز میر آکاملا جی کو تو میر اجی بنا  
 دل نشیں لکھے سخن اور دھڑکنوں میں رہ گیا  
 درد جتنا بھی اسے بے درد دنیا سے ملا  
 شاعری میں ڈھل گیا کچھ آنسوؤں میں بہہ گیا  
 اک نئی چھب سے جیا وہ اک عجب ڈھب سے جیا  
 آنکھ اٹھا کر جس نے دیکھا دیکھتا ہی رہ گیا  
 اس سے آگے کوئی بھی جانے نہیں پایا بھی  
 نقش بن کے رہ گیا جو اس کی رو میں بہہ گیا

## 40 داستان دل دو نیم: حبیب جالب

اک حسین گاؤں تھا کنار آب  
 کتنا شاداب تھا دیار آب  
 کیا عجب بے نیاز بستی تھی  
 مفلسی میں بھی ایک مستی تھی  
 کتنے دل دار تھے ہمارے دوست  
 وہ بچارے وہ بے سہارے دوست

اپنا اک دائرہ تھا دھرتی تھی

زندگی چین سے گزرتی تھی

قصہ جب یوسف وزیخا کا

میٹھے میٹھے سروں میں چھڑتا تھا

قصر شاہوں کے ہلنے لگتے تھے

چاک سینوں کے سلنے لگتے تھے

41 ملکہ تر نم نور جہاں کی نذر: حبیب جالب

نغمہ بھی ہے اداں تو سر بھی ہے بے اماں

رہنے دو کچھ تو نور اندھیروں کے درمیاں

اک عمر جس نے چین دیا اس جہاں کو

لینے دو سکھ کا سانس اسے بھی سر جہاں

تیار کون ہے جو مجھے بازوؤں میں لے

اک یہ نوانہ ہو تو کہو جاؤں میں کہاں

اگلے جہاں سے مجھ کو یہی اختلاف ہے

یہ صورتیں یہ گیت صدائیں کہاں وہاں

یہ ہے ازل سے اور رہے گا یہ تا ابد  
تم سے نہ جل سکے گاتر نم کا آشیاں

## 42 ننھی جاسو جا: حبیب جالب

جب دیکھو تو پاس کھڑی ہے ننھی جاسو جا  
تجھے بلا تی ہے سپنوں کی نگری جاسو جا

غصے سے کیوں گھور رہی ہے میں آ جاؤں گا  
کہہ جو دیا ہے تیرے لیے اک گڑیا لاؤں گا  
گئی نہ ضد کرنے کی عادت تیری جاسو جا  
ننھی جاسو جا

ان کا لے دروازوں سے مت لگ کے دیکھ مجھے  
اڑ جاتی ہے نیند آنکھوں سے پا کر پاس تجھے  
مجھ کو بھی سونے دے میری پیاری جاسو جا  
ننھی جاسو جا

کیوں اپنوں اور بیگانوں کے شکوئے کرتی ہے  
کیوں آنکھوں میں آنسو لا کر آہیں بھرتی ہے  
رونے سے کب رات کٹی ہے دکھ کی جاسو جا  
ننھی جاسو جا